اعضا کی پیوند کاری

ایک مذاکرہ

ہر زمانہ اپنے ساتھ نئے مسائل لاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں اتنی تیزی کے ساتھ، اتنے بڑے پیمانہ پر اتنی بڑی بڑی اور دور رس تبدیلیاں آرہی ہیں، کہ روز نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں جو قرآن وسنت کی روشنی میں تشفی بخش حل کے طالب ہیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ علمائے دین قرآن وسنت کو مدار بناکر، اور سلف صالحین کی بیش بہا خدمات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، ان گوناگوں پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد کی راہ اختیار کریں۔ بحث اور مذاکرہ میں اختلاف رائے ہمیشہ ہوا ہے، اور آج بھی ہو گا۔ لیکن اجتہاد کے علاوہ زمانہ کے تقاضوں کی حقیقی تکمیل اور پیش آمدہ مسائل کا صحیح حل ممکن نہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ بھارت میں ہر مسلک و فکر کے علما، اپریل ۱۹۸۹ سے، جدید مسائل پر بحث ونظر کے لیے فقہی سیمینار منعقد کر رہے ہیں۔ ہم پہلے سیمینار (منعقدہ ۳۔ اپریل ۱۹۸۹، بمقام دہلی) کی روداد میں سے ''اعضا کی پیوند کاری'' کے مسئلہ پر دو مقالات پیش کر رہے ہیں۔ مسئلہ اہم ہے، اگرچہ تہذیب نو کی تشکیل میں بنیادی اہمیت کا حامل نہیں، لیکن اختلاف اور استدلال کے طریقوں سے قارئین کے علم و فہم میں یقیناً قیمتی اضافہ ہو گا۔ (مدیر)

(۱)

مفتی محمد ظفیر الدین

مفتی دار العلوم دیوبند

زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ رُوبہ ترقی ہے، نئی ایجادوں نے انسانوں کو متحیر کر رکھا ہے، کل تک جس چیز کا تصور بھی مشکل تھا وہ حقیقت بن کر سامنے آرہی ہے۔ جدید تحقیقات و انکشافات سے آنکھیں بند کرنا بھی ممکن نہیں، اور ان سے کام نہ لینا بھی ناشکری ہو گی۔ البتہ یہ دیکھنا اور سمجھنا ہم مسلمانوں کے فرایض میں داخل ہے کہ جن چیزوں سے جس جس طرح کام لیا جاسکتا ہے، وہ کتاب و

سنت کے خلاف تو نہیں ہے ' یا عہد صحابہ اور بعد کے ائمہ نے جو اصول و قواعد متعین کیے ہیں اس سے ٹکراتا تو نہیں ہے ۔

نئی ایجادات سے اگر کتاب و سنت اور اقوال صحابہ کے دائرے میں رہ کر فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے تو ہمیں اس سے ضرور فائدہ اٹھانے کی جدوجہد کرنا چاہیے ۔ مثال کے طور پر ' ٹیلی ویژن آج لہو و لعب میں استعمال ہوتا ہے ' ہم اس کے لگانے اور دیکھنے کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں ۔ لیکن کل اگر اس کا استعمال کتاب و سنت کے دائرے میں رہ کر ہو سکتا ہے ۔۔۔ مثلاً حدیث کا درس دیا جانے لگے ' تفسیر بیان کی جائے اور وعظ و نصائح کے کام لیے جائیں ۔۔۔ تو جائز ہونے کا فتویٰ دینا ہو گا ۔ ریڈیو سے خبریں اور تفسیر سننے کو جائز کہتے ہیں ' اور مخرب اخلاق افسانے اور گانے سننے کو حرام لکھتے ہیں ۔

یہی صورت حال اعضا کی پیوند کاری کی ہے ۔ ناجائز چیز لگائی جائے تو اس کی اجازت شریعت نہیں دے گی ۔ لیکن اگر جائز اشیا سے اعضا کی پیوند کاری کا کام لیا جائے تو پھر اسے ناجائز لکھنے اور کہنے کی کوئی وجہ نہیں ۔ ایک صحابی کی ناک کٹ گئی تھی ۔ انھوں نے چاندی کی ناک بنوا کر لگائی مگر وہ بھی راس نہ آئی ' تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے سونے کی ناک بنوا کر لگائی ' حالانکہ سونے کا استعمال مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے (مشکوٰۃ باب الخاتم) ۔

ہم عام طور پر مصنوعی دانت بنوا کر خود بھی لگاتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت دیتے ہیں ' جو پاک مسالوں سے تیار ہوتے ہیں ۔ اب تو معلوم ہوا ہے کہ انسانی جسم کے تقریباً تمام کار آمد اعضا مصنوعی بننے شروع ہو گئے ہیں ' اور انھیں ہم استعمال کرتے ہیں ۔

ترمذی شریف میں سونے کے تاروں سے دانتوں کے باندھنے کا ذکر کیا گیا ہے اور لکھا ہے: کئی اہل علم سے روایت ہے کہ انھوں نے دانت سونے سے باندھے ۔ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں مختلف مواقع میں سونے چاندی کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے ' اور بہت سارے مواقع میں اس کے استعمال سے روکا گیا ہے ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی دوسری صدی ہجری میں ہی یہ سارے مسائل سامنے آچکے تھے ' اور امام ابو حنیفہ ؒ اور آپ کے تلامذہ بحث و مباحثہ کے بعد اپنی آرا لکھ چکے تھے ۔

عالمگیری میں صریح جزئیہ ہے: امام محمد کہتے ہیں کہ ہڈیوں سے علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ ہڈی بکری ' گائے ' اونٹ ' گھوڑا یا ان کے علاوہ دیگر جانوروں کی ہو ' سوائے خنزیر اور آدمی کی ہڈی کے ۔ ان سے علاج مکروہ (تحریمی) ہے ' البتہ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مذبوح جانور کی ہڈی

ہو: جبکہ حیوان شرعی طریقہ سے ذبح کیا ہوا ہو' اس لیے کہ وہ ہڈی پاک ہے۔ تر ہو یا خشک' اس سے انتفاع جائز ہے۔

آگے ہے: حیوان مردار ہو تو اس کی ہڈی سے انتفاع جائز ہے اگر وہ خشک ہو' اور جائز نہیں اگر وہ تر ہو۔

شامی نے امام کرخی کا قول نقل کیا ہے: اگر کسی شخص کے سامنے کے دانت جھڑ جائیں تو وہ مذبوح بکری کے دانت اس کی جگہ لگا لے۔

معلوم ہوا جس طرح پاک مصنوعی اعضا کا استعمال شرعاً جائز ہے' مذبوح جانوروں کے اعضا کا استعمال بھی کیا جاسکتا ہے۔ شرعاً اس میں کوئی مضایقہ نہیں ہے۔

زندہ جانوروں کا کوئی حصہ البتہ کاٹ کر اعضا کی پیوند کاری میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ مردار کے حکم میں ہے۔ حدیث نبوی ؐ ہے: زندہ جانور سے جو کاٹ لیا جائے' وہ مردار ہے (ترمذی)۔

بحث جو کچھ ہے وہ ایک انسان کے کسی عضو کا دوسرے انسان میں استعمال کرنے سے متعلق ہے۔ جہاں تک مسئلہ ہے خود اپنے کسی حصہ جسم کا دوسرے حصہ میں استعمال کرنے کا' اس میں کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ جیسا کہ درِ مختار کا جزئیہ ہے: زندہ سے الگ ہونے والا جسم کا حصہ مردار ہوتا ہے مگر اس عضو والے کے حق میں نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنے جسم میں مضایقہ نہیں ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح انسان صحت مند ہو جاتا ہے' اور اس میں نہ کوئی عیب پیدا ہوتا ہے اور نہ بکری خریداری کی بات سامنے آتی ہے۔

ایک جسم کے خون کا استعمال دوسرے جسم میں جائز کہا گیا ہے اور اس کا فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔ اس کو اس جزئیہ سے لیا گیا ہے جس کے متعلق صراحت ہے: بیمار کے لیے خون اور پیشاب پینا جائز ہے' اگر مسلمان طبیب کہے کہ یہ شفا کے لیے ضروری ہے اور کوئی دوسری متبادل مباح دوا موجود نہیں۔ اگر طبیب کہے کہ اس سے جلد شفا ہو جائے گی' تو اس بارے میں دو رائے ہیں (عالمگیری) حالانکہ خون بھی حرام اور پیشاب بھی۔ پیشاب کی حرمت ظاہر ہے' ساری کتابوں میں اس کی صراحت ہے۔ مگر مجبوری میں مسلمان طبیب جب یہ کہے کہ اس کے سوا دوسری دوا نہیں ہے تو مجبوری میں شرعاً اجازت ہو گی۔ یہاں اپنے خون یا پیشاب کی صراحت نہیں ہے۔ دونوں ہی مردار ہو سکتے ہیں' جس طرح فقہا نے عورت کے دودھ کو بطور دوا استعمال کی اجازت دی ہے: اس میں کوئی حرج نہیں

کہ مرد عورت کا دودھ بطور دوا پیے (عالمگیری)۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ خنزیر کا تمام حصہ نجس عین ہے 'اس لیے جائز نہیں ۔ اور انسان کا بوجہ احترام آدمیت ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں انسانی اجزا کی خرید و فروخت کو انسانی عظمت کے پیش نظر عام طور پر ناجائز و حرام قرار دیا گیا ہے 'خواہ وہ زندہ انسان کا حصہ ہو یا مرنے والے کا۔ انسان اپنی موت کے بعد بھی ویسا ہی قابل احترام ہے جس طرح اپنی زندگی میں تھا۔ پس جس طرح زندہ انسان کے جز سے اکراماً دوا کرنا جائز نہیں ہے 'ایسے ہی مردہ کی ہڈی سے علاج جائز نہیں ہے (شرح السیر الکبیر)۔

مضطر جس کے لیے مردار تک کھانے کی مخصہ میں اجازت دی گئی ہے 'اس شخص کے متعلق فقہا لکھتے ہیں: کوئی مضطر اگر میتہ نہ پائے 'اور اسے اپنی ہلاکت نفس کا خوف ہو 'ایسی حالت میں اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ میرے ہاتھ کاٹ لو اور کھالو 'یا یہ کہے کہ ایک حصہ کاٹ کر کھالو 'تو مضطر کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہو گا 'اور نہ یہ حکم دینا صحیح ہو گا 'اور نہ مضطر کے لیے یہ درست ہو گا کہ وہ اپنے ہی جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالے (عالمگیری)۔

فقہا نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی کو دھمکی دی جائے کہ فلاں کو قتل کر دو ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا 'تو کیا اس کے لیے جائز ہو گا کہ اس کو قتل کر ڈالے اور اپنی جان بچالے؟ فقہا لکھتے ہیں 'ایسا کرنا جائز نہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں فقہا کے پیش نظر کتاب و سنت کی یہ تصریحات ہیں: ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا (بنی اسرائیل)۔ مردہ کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا (موطا)۔ مومن کو مردہ حالت میں ایذا دینا اس کی زندگی میں ایذا دینے کی طرح ہے (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز)۔

ایک بڑی وجہ اس سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ انسانی اعضا 'جو اس کے پاس بطور امانت ہیں 'اس کو حکم الٰہی کے خلاف ناجائز میں استعمال کی جرات کر رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کے جواز کے فتویٰ کے بعد انسانی عظمت خاک میں مل کر رہ جائے گی 'اور انسانی اعضا کی بیع و شرا شروع ہو جائے گی۔ خود انسان بھی پیٹ بھرنے 'بچوں کے فاقہ اور شراب وغیرہ کی لت کی وجہ سے اپنے اعضا فروخت کرنا شروع کر دے گا۔

دوسری طرف آخرت پر جن کا عقیدہ نہیں ہے 'یا ہے مگر روپے کی خاطر سارے ناجائز کو اپنے لیے جائز کر لیتے ہیں 'وہ انسانوں کا اغوا کر کے اعضا انسانی کی تجارت شروع کر دیں گے 'اور حکومت وقت کا کوئی قانون اس کو بچا نہیں سکے گا 'خواہ وہ قانون کتنا ہی سخت اور مضبوط کیوں نہ ہو۔ غریب اور کمزور انسان کا جینا مشکل ہو جائے گا اور سرمایہ دار اور قوی گھرانے غریبوں اور کمزوروں پر عرصہ

حیات تنگ کر دیں گے ۔پہلے زمانہ میں غلامی کے مسئلہ پر اعتراض کیا کرتے تھے ۔یہ مسئلہ غلامی سے بھی بد تر ہو جائے گا' اور انسان صحیح معنی میں انسان باقی نہ رہ جائے گا۔

جو حضرات ایک انسان کے اعضا کی دوسرے انسان میں پیوند کاری کو جائز کہتے ہیں' وہ کتاب و سنت اور فقہ و فتاویٰ کی کھلی مخالفت کرتے ہیں ۔یہ کہنا کہ حکم 'عمل پر نہیں ارادہ اور نیت پر ہوتا ہے' میرے نزدیک قطعاً صحیح نہیں ۔اس طرح کے مسائل کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے 'ارادہ و نیت پر نہیں ہوتا کہ یہ دیکھنے کی چیز نہیں ۔یہ کیسی دانشمندی ہو گی کہ ایک انسان کی صحت یابی کے لیے دوسرے کی صحت سے کھیلا جائے اور مستقبل میں اس کو بیماری کا لقمہ تر بنایا جائے ۔امورِ آخرت میں باطن کو دیکھا جاسکتا ہے اور دیکھا جاتا ہے 'لیکن امورِ دنیا میں ظاہر ہی پر حکم لگایا جائے گا۔

آدم علیہ السلام سے اب تک دنیا پر ہزاروں سال گزر چکے 'انسان اپنی ضرورتیں پوری کرتا رہا' اس ظلم اور جور و تعدی کا تصور تک انسانی ذہن میں نہیں آیا' یہ ظلم خواہ اپنے اوپر ہو یا غیر کے اوپر ۔ایک شخص تو تکلیف میں ہے ہی' دوسرے کو بھی تکلیف میں بھی مبتلا کرنے کا راستہ کھولا جارہا ہے ۔

یہ کہنا کہ عورت کے پیٹ کو چاک کرنے کی فقہانے بعض اوقات اجازت دی ہے 'تشریح یہ ہے کہ جب تک بچہ عورت کے پیٹ میں ہے 'زندہ یا مردہ' اس کا جزو بدن ہے 'علیحدہ نہیں' دونوں ایک کے حکم میں ہیں' الگ الگ نہیں ۔لہٰذا اس مسئلہ خاص کو اس پر قیاس کرنا قطعاً صحیح نہیں ہے ۔پوسٹ مارٹم کوئی شرعی مسئلہ نہیں ہے کہ درمیان میں اس کو لاکر غلط فہمی پیدا کی جائے اور اس پر قیاس کیا جائے ۔

اس کو ایثار کا نام دینا بھی نفس کا کھلا فریب ہے ۔راحت سے محروم کے لیے زندہ اور مردہ انسان کے اعضا کا بخشنا تو ایثار ہے 'مگر کیا محروم الراحت شخص پر یہ فرض نہیں ہے کہ وہ زندہ اور مردہ انسان پر رحم کھائے اور اس کے احترام آدمیت کی لاج رکھے ۔یہ یک طرفہ فیصلہ حیرت انگیز ہے ۔

جن فقہانے ایک مضطر کو زندہ انسان کے گوشت کھانے یا مردہ انسان کے کھانے کی اجازت دی ہے 'ان کی یہ ہمدردی ہرگز قابل توجہ نہیں ہے ۔ان کی یہ ہمدردی یک طرفہ ہے ۔انسانیت کے احترام کا تقاضا یہ تھا کہ سب پر نظر رکھی جاتی ۔کسی زندہ و صحت مند کو دوسرے بیمار زندہ کا لقمہ تر بنانا یا احترام انسانیت پر قلم پھیر دینا ہرگز مناسب نہیں ۔

جس حکومت کا قانون خون ریزی 'آتش زنی اور لوٹ مار کو بند نہیں کر سکتا' اس کے قانون سے اس کی توقع رکھنا کہ اجازت کا بے جا استعمال نہ ہو گا عقل میں آنے کی بات نہیں ۔وہ منظر کس قدر بھیانک ہو گا کہ ادھر مرنے والے کی روح نے پرواز کیا' اور وہیں ہاتھوں ہاتھ پہلے سے تیار ڈاکٹراس

مردہ کی آنکھیں نکالیں گے ' پیٹ چاک کر کے گردے باہر کر دیں گے ' اور بہت سے کمزور و غریب کے جسم کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیے بغیر اپنے آلات کا استعمال شروع کر دیں گے ۔

ان لوگوں کی عقل و فہم پر حیرت ہے جو اعضا کے عطیہ اور ہبہ کو بال کٹنے ' ختنہ کرنے یا زخم یا آپریشن کے چیرپھاڑ پر قیاس کرتے ہیں ۔ اس باب میں علما احناف کے فہم و فراست کی داد دینی پڑتی ہے کہ انھوں نے ہر ہر قدم پر نصوص اور انسانی احترام کو ملحوظ رکھا ہے ۔

(۲)

خالد سیف اللہ رحمانی

صدر مدرس دار العلوم سبیل الاسلام ، حیدر آباد

۱۔ انسانی جسم میں از راہ علاج جمادات یا ' انسان کے علاوہ دوسرے حیوانات ' کے اعضا کی پیوند کاری کے جواز میں کوئی کلام نہیں ۔

اس میں گو اختلاف ہے کہ انسان خود اپنے جسم کے حصہ کی دوبارہ اپنے جسم میں پیوند کاری کر سکتا ہے یا نہیں ؟ طرفین اس کو جائز نہیں سمجھتے ' اس لیے کہ جسم کا جو حصہ جسم سے کٹ گیا ہے اب اس کو دفن کیا جانا واجب ہے ۔ اس کے دوبارہ استعمال میں اس سے انحراف پایا جاتا ہے : ''پس جب کہ کوئی جز بدن سے جدا ہو گیا تو وہ مستحق دفن ہو گیا جیسے کل بدن اور اس جز کو دوبارہ استعمال کرنا اس کو اس کے استحقاق سے روکنا ہے'' ۔ امام ابو یوسف ؒ کے نزدیک یہ جائز ہے ' کیوں کہ انسان کا خود اپنے جز سے انتفاع از قبیل اہانت نہیں ہے : ''اپنے جز کے استعمال میں اس کی توہین نہیں ہے'' (بدائع الصنائع ۵ / ۱۳۲) ۔

لیکن اس باب میں بھی فتویٰ ابو یوسف ہی کی رائے پر ہے ' اور عام طور پر فقہا نے اس کو جائز ہی رکھا ہے ۔

۲۔ اصل مسئلہ ایک انسان کے اعضا کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کا ہے ۔ جن حضرات نے اعضا کی پیوند کاری کو ضرورتاً جائز قرار دیا ہے ' ان کے پیش نظر وہ فقہی قواعد ہیں جن کے مطابق ''ضرورت'' کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز قرار پاتی ہیں (الضرورات تبیح المحذورات) ۔ یا مشقت پیدا ہو جائے تو یسر و آسانی کی راہ اختیار کی جاتی ہے (المشقة تجلب التیسیر) ۔ اور اس سلسلہ میں پیش نظر قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں جان بچانے کے لیے حالت اضطرار میں حرام چیزوں کے کھانے یا حالت اکراہ میں کلمۂ کفر زبان سے ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے ۔

۳۔جن لوگوں نے اعضا کی پیوند کاری سے منع کیا ہے ' انھوں نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں۔انسان کے علیحدہ شدہ اعضا کا ناپاک ہونا اور حرام ہونا۔انسان کا خود اپنے جسم کا مالک نہ ہونا اور اللہ کی طرف سے اپنے وجود کا امین ہونا۔ لیکن خود فقہا متقدمین نے مختلف جزئیات میں ' انسانی ضرورت کی رعایت کرتے ہوئے ' ان تمام امور کی اباحت کو قبول کیا ہے ' ناپاک و حرام اشیا سے علاج کی اجازت بھی دی ہے ' اور اپنے جسم میں ایسے تصرف کی اجازت بھی دی ہے جو کسی نص صریح سے متعارض نہ ہو۔

اصل علت جو مانعین کے پیشِ نظر ہے وہ انسانی حرمت و کرامت کا تحفظ ہے۔اکثر فقہا نے انسانی اجزا سے انتفاع کو اسی لیے منع کیا ہے ' کہ انسان متاعِ خرید و فروخت بن جائے۔یہ اس کی شانِ تکریم کے خلاف ہے۔کتب فقہ میں کثرت سے ایسی عبارتیں موجود ہیں ' بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں: ''انسان کے بال سے نہ انتفاع جائز ہے نہ اس کی بیع جائز ہے ' اس لیے کہ آدمی مکرّم ہے نہ کہ قابلِ صرف کوئی چیز۔پس نہیں جائز ہے کہ اس کے اجزا میں سے کسی بھی جز کو ذلیل کیا جائے اور استعمال کیا جائے'' (البحر الرائق ۸۱/۶)۔

''بے شک آدمی کا بال اس کی کرامت کی وجہ سے قابلِ انتفاع نہیں ہے'' (المبسوط ۱۲۵/۱۵)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کے اجزا سے انتفاع نجاست کی بنا پر جائز نہیں۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ اس کی کرامت کی وجہ سے ہے ' اور یہی صحیح ہے۔(ھندیہ ۵ / ۳۵۴)

اور چوں کہ حرمت و کرامت میں زندہ و مردہ دونوں مساوی ہیں ' اس لیے زندہ انسان کے اعضا اس مقصد کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں نہ مردہ کے۔اس سلسلہ میں سب سے واضح روایت وہ حدیث ہے کہ '' مردہ کی ہڈی کو توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندگی میں اس شخص کی ہڈی کو توڑ دینا''۔

۴۔اس مسئلہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

اول یہ کہ کیا موجودہ زمانہ میں پیوند کاری کا طریقہ بھی ''اہانتِ انسان'' میں داخل ہے؟
دوم یہ کہ انسانی جان کے تحفظ کے لیے اہانت محترم کو گوارا کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۵۔پیوند کاری کے اہانت انسان ہونے کے سلسلہ میں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ شارع نے انسان کو مکرم و محترم تو ضرور قرار دیا ہے ' اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ اس کی توہین کو جائز نہیں رکھتا ' لیکن کتاب و سنت نے تکریم و اہانت کے سلسلہ میں کوئی بے لچک حدود مقرر نہیں کی ہیں۔اور اہلِ علم کی نظر سے یہ امر مخفی نہیں کہ نصوص نے جن امور کو مبہم رکھا ہو اور قطعی فیصلہ نہ کیا ہو ' انسانی عرف و

عادت ہی سے اس کی توضیح ہوتی ہے ' ڈاکٹر وہبتہ الزحیلی نے مختلف فقہا کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: فقہا نے کہا ہے کہ جو چیز شریعت میں مطلقاً وارد ہوئی ہے 'اور اس کے لیے شریعت میں نہ کوئی ضابطہ ہے نہ لغت میں' تو اس میں عرف کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا' جیسے کہ سرقہ میں حفاظت (اصول الفقہ الاسلامی ۲/۱ ۸۳)

۶-پھر اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ عرف و عادت کی بعض صورتیں زمانہ و علاقہ کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں 'اور ایک ہی معاملہ میں علاقہ و وقت کی تبدیلی کی وجہ سے دو مختلف حکم لگائے جاتے ہیں 'کبھی اس کو بہتر اور درست سمجھا جاتا ہے اور کبھی اس کو قبیح و نادرست - امام ابو اسحاق شاطبیؒ فرماتے ہیں: بعض چیزیں حسن سے قبح کی طرف متبدل ہوتی ہیں اور بعض اس کے برعکس ' جیسے سر کا کھولنا مشرقی ممالک میں قبیح ہے مگر مغربی ممالک میں قبیح نہیں ہے - اسی اختلاف کی وجہ سے حکم شرعی مختلف ہو جائے گا' چنانچہ اہل مشرق کے نزدیک سر کا کھولنا عدالت کے لیے نقصان دہ ہو گا اور اہل مغرب کے نزدیک نقصان دہ نہیں ہو گا (الموافقات ۲/۲۰۹ '۲۱۰)-

پس جب اہانت و اکرام کے متعلق شریعت نے کوئی متعین اصول وضع نہیں کیے ہیں تو ضرور ہے کہ ہر زمانہ کے عرف و عادت ہی کی روشنی میں کسی بات کے باعث توہین ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کیا جائے اور عین ممکن ہے کہ ایک ہی چیز جو کسی زمانہ میں توہین شمار ہوتی ہو 'بعد کے زمانے میں اس کا شمار توہین میں نہ ہو - فقہا نے اجزا انسانی سے انتفاع کو بے شک منع کیا ہے 'لیکن یہ ممانعت اس لیے تھی کہ اس زمانے میں انسانی اعضا سے انتفاع کو اس کی توہین تصور کیا جاتا تھا اور اس دور میں ایسے طریقے بھی رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر انسانی اجزا سے انتفاع کیا جا سکے - ہمارے زمانے میں اس عمل کو انسان کی توہین نہیں سمجھا جاتا - اگر کوئی شخص اپنا عضو کسی اور کو دے دے ' تو نہ وہ خود اپنی اہانت کا احساس کرتا ہے نہ لوگ ایسا محسوس کرتے ہیں 'بلکہ اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے - اسی لیے بڑے بڑے قائدین اور زعما اپنے اعضا کے سلسلہ میں اس قسم کی وصیت کر جاتے ہیں ' اور یہ چیز ان کے لیے نیک نامی کا باعث ہوتی ہے اور انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے - ایک انسان کے جسم کا خون دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کیا جا سکتا ہے ' اب اس پر قریب قریب اتفاق ہو چکا ہے ' حالاں کہ جز انسانی سے انتفاع کو مطلقاً "توہینِ انسانی" باور کیا جائے تو اسے بھی ناجائز ہونا چاہیے 'کہ جز انسانی ہونے میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے - اس میں شبہ نہیں کہ بعض بزرگوں نے خون اور کسی اور عضو میں انتفاع میں فرق کیا ہے اور خون کو دودھ پر قیاس کیا ہے مگر استدلال محل نظر ہے 'کیوں کہ دودھ انسانی جسم میں رکھا ہی اس لیے گیا ہے کہ وہ جسم سے خارج ہو اور اس کا استعمال ہو ' اس کا

استعمال نہ کیا جانا صحت انسانی کے لیے مضر ہے جب کہ خون قوام حیات ہے ' اور اس کو جسم میں باقی رکھنے پر ہی حیات انسانی موقوف ہے ۔ اس لیے خون دودھ کی نہیں بلکہ دوسرے ٹھوس اور سیال اجزاے انسانی کی نظیر ہے ۔

مفتی کفایت اللہ صاحب "گو اعضا کی پیوند کاری کو درست نہیں سمجھتے ' تاہم وہ بھی مطلقاً اجزا سے انتفاع کو حرام نہیں کہتے ہیں ' اور اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی اجزاے انسانی کا استعمال ایسا بھی ہو سکتا ہے جو مستلزم اہانت نہ ہو ۔ مفتی صاحب " کا بیان ہے کہ "یہ شبہ کہ انسان کے اجزا کا استعمال ناجائز ہے ' اس لیے وارد نہ ہونا چاہیے کہ استعمال کی جو صورت کہ مستلزم اہانت ہو وہ ناجائز ہے ' اور جس میں اہانت نہ ہو تو ضرور تاً وہ استعمال ناجائز نہیں" (کفایۃ المفتی ۹ / ۱۴۳) ۔ پس چوں کہ موجودہ زمانہ میں اجزاے انسانی سے انتفاع کے ایسے طریقے ایجاد ہو گئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں ہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے ' اس لیے اصولی طور پر ان کو درست اور جائز ہونا چاہیے ۔

۸ ۔ دوسرے فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لیے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جا سکتی ہے ۔ قرآن مجید کی حرمت انسانی اعضا کی حرمت سے زیادہ صراحت کے ساتھ حدیث سے ثابت ہے ' یہاں تک کہ بے وضو قرآن مجید کو چھونا اور حالت جنابت میں پڑھنا بھی جائز نہیں ۔ لیکن فقہا نے ازراہ علاج ' خون اور پیشاب سے بھی آیات قرآنی کو لکھنے کی اجازت دی ہے : جس شخص کو نکسیر ہو اور خون بند نہ ہوتا ہو ' وہ اگر اپنے خون سے اپنی پیشانی پر قرآن کا کوئی حصہ لکھنا چاہے تو ابوبکر کہتے ہیں کہ جائز ہے ۔ ان سے سوال کیا گیا اگر پیشاب سے لکھے ' تو کہا اگر اس سے شفا ہوتی ہو تو کوئی حرج نہیں ' ان سے سوال کیا گیا اگر مردار کے چمڑے پر لکھے ' تو کہا اگر شفا ہوتی ہو تو جائز ہے (خلاصۃ الفتاوٰی ۴ / ۳۶۱) ۔

علامہ سمرقندی نے ایک خاص جزئیہ پر بحث کرتے ہوئے جس اصول سے استدلال کیا ہے وہ یہی ہے کہ ایک انسان کی بقا کے لیے دوسرے کی تکریم کے پہلو کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے ۔ فرماتے ہیں : اگر کوئی حاملہ مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو ' اگر غالب ظن یہ ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے ' تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائے گا ۔ اس لیے کہ اس میں ایک انسان کو زندگی بخشنا ہے ' اور کسی زندہ کی موت کا سبب بننے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کی عظمت کے تقاضے کو چھوڑ دیا جائے (تحفۃ الفقہا ۳ / ۳۴۳)

ماں کی موت ہو جائے اور آثار بتاتے ہوں کہ جنین زندہ ہے ' تو فقہا نے عورت کے آپریشن کی اجازت دی ہے ' اور استدلال یہ کیا ہے کہ یہاں تعظیم میت کو ایک زندہ نفس کی بقا کے لیے ترک کیا جا

رہا ہے ۔ لان ذالک تسبب فی احیاء نفس محترمۃ بترک تعظیم المیت (البحر الرائق ۸/۲۰۵)۔ اسی اصول سے یہ مسئلہ بھی متعلق ہے کہ مضطر کسی مردہ انسان کو اپنی جان بچانے کے لیے کھا سکتا ہے یا نہیں؟ مالکیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ نہیں کھا سکتا' شوافع اور بعض احناف کے یہاں کھا سکتا ہے' اس لیے کہ زندہ کی حرمت مردہ سے بڑھ کر ہے ۔ وقال الشافعی وبعض الحنفیۃ یباح وھو اولی لان حرمۃ الحی اعظم (المغنی ۹/۵ ۳۳)۔ فقہا حنابلہ میں ابو الخطاب نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے ۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: ''جب کوئی شخص اضطراری حالت میں ہو' اور وہ مردار' خنزیر اور آدمی کا گوشت پائے تو (ان میں سے) مردار کو کھائے گا' اس لیے کہ وہ بعض موقع پر حلال ہو جاتا ہے' بخلاف خنزیر اور آدمی کے جو کسی حال میں حلال نہیں ہے' نہ انسان کے لیے اس کا کھانا جائز ہے چاہے وہ مرجائے ۔ یہ ہمارے علما کا قول ہے' اور یہی قول امام احمد اور داؤد کا ہے ..... امام شافعی آدمی کے گوشت کھانے کو جائز کہتے ہیں (الجامع لاحکام القرآن ۲/۲۲۹)۔

مشہور مالکی فقیہ ابن عربی نے بھی اس مسئلہ میں شوافع ہی کی رائے اختیار کی ہے کہ اگر اس سے بچ جانے کی امید ہے تو کھالے ۔ الصحیح عندی ان لا یاکل الا دمی الا اذا تحقق ان ذالک ینجیہ ویحییہ (الجامع لاحکام القرآن ۲/۲۲۹)۔ اسی طرح اگر کوئی ایسا شخص مضطر کو مل جائے جس کا خون کسی جرم کی وجہ سے جائز ہے تو اس کو قتل کر کے اس کا گوشت کھا کر اپنی زندگی کا تحفظ بھی جائز ہے ۔ (المغنی ۹/۵ ۳۳ قرطبی ۲/۲۲۹)۔ اور ناقلین نے تو یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ امام شافعیؒ نے جان بچانے کے لیے انبیاے کرام کا گوشت کھانے کی اجازت دی ہے ۔ اباح الشافعی اکل لحوم الانبیاء (ایضاً)۔ معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ اس پر اہل علم نے گرفت کی' اس لیے بعد کو فقہائے شوافع نے انبیا کی میت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دے دیا' ابن نجیم لکھتے ہیں: انھوں نے کہا کہ اس سے نبی کی نعش مستثنیٰ ہے' اس کا کھانا مضطر کے لیے جائز نہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع کے نزدیک انبیا کی نعش کی حرمت مضطر کی روح سے بڑھی ہوئی ہے (الاشباہ و النظائر، ص ۸۴)۔

۹۔ زندہ انسانوں کے عضو کی منتقلی میں البتہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ فقہا نے مکرہ کے لیے اس کو جائز قرار نہیں دیا ہے کہ وہ کسی شخص کی اجازت سے بھی اس کے جسم سے کچھ حصہ کاٹ کھائے ۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں: بہرحال وہ فرع جو مباح نہیں ہے' اور نہ اکراہ کی وجہ سے اس میں کسی بھی صورت میں رخصت دی جاتی ہے' تو وہ فرع ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنا ہے' چاہے اکراہ ناقص ہو یا تام' اور ایسے ہی انسان کے اعضا میں سے کسی عضو کا کاٹنا' اگرچہ مکرہ علیہ اسے اجازت دیتے ہوئے کہہ دے کہ کاٹ لو' تو کاٹنا اس کے لیے جائز نہیں ہو گا (بدائع الصنائع ۷/۱۷۷)۔

اس لیے اگر مرنے والے کے اعضا کی پیوند کاری کو جائز بھی قرار دیا جائے تو بھی اس کو جائز نہیں ہونا چاہیے کہ زندہ شخص کا عضو دوسرے شخص کو منتقل کیا جائے 'گو وہ خود اس پر رضامند ہو۔ لیکن ضروری ہے کہ فقہا کی اس طرح کی تعبیر کو ہم اس زمانے میں موجودہ زمانے کی تحقیق اور اکتشاف کے تناظر میں دیکھیں۔ پیوند کاری کے طریقہ میں ہلاکت یا ضرر شدید کا اندیشہ نہیں ' اور کسی کے جسم سے گوشت کاٹ کھانے میں ہلاکت یا ضرر شدید کا قوی اندیشہ ہے۔ مثلاً اپنے اعضا سے خود انتفاع درست ہے ' لیکن بعض فقہا نے مضطر کے لیے خود اپنے جسم کے کسی حصہ سے گوشت کھانے کو بھی منع کیا ہے۔ کمالا یسع للمضطر ان یقطع قطعة من نفسه فیاکل (قاضی خان علی الهندیه ۴۰۴)۔ ابن قدامہ نے اس کی وجہ پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے: اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کا اپنے جسم میں سے کسی حصہ کو کھالینا بسا اوقات اس کی موت کا سبب ہو گا۔ اس طرح وہ خود اپنا قاتل ہو جائے گا ' اور نہ اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی ہے۔ (المغنی، ۹/۵ ۲۳)۔

پس اب یہ بات منقح ہوگئی کہ زندہ انسان کے عضو کی اس طرح منتقلی کہ وہ اس کی ہلاکت یا اس کے لیے ضرر شدید کا باعث بنے ' درست نہیں۔ البتہ وہ اعضا کہ جن کی منتقلی سے اس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور محفوظ طریقہ پر اس عمل کو انجام دیا جائے ' اور خود وہ شخص ایسا کرنے پر رضامند بھی ہو ' تو اس کو درست ہونا چاہیے۔

۱۰۔ رہ گئیں بعض نصوص ' مثلاً لعن اللہ الواصلة و المستوصلة (اللہ نے لعنت بھیجی ہے اپنے بالوں میں دوسرے بال داخل کرنے والی پر اور کروانے والی پر)۔ تو اس میں اجزاے انسانی سے ایسے انتفاع کو منع کیا گیا ہے جو انسان کے لیے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزئین و آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔ اسی طرح وہ حدیث کسر عظم المیت ککسر عظم الحی (مردہ کی ہڈی کو توڑنا زندہ کی ہڈی توڑنے کی طرح ہے) عام حالات پر محمول ہے جب کہ کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے نہ صرف جنین کی حفاظت کے لیے مردہ ماں کے آپریشن کی اجازت دی ہے ' بلکہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا ہو اور اس کی موت واقع ہوگئی تو بعض حالات میں اس دوسرے شخص کے ایک حق مالی کے تحفظ کے لیے بھی مردہ کی چیر پھاڑ اور اس کے پیٹ سے موتی نکالنے کو فقہا نے جائز رکھا ہے (البحر الرائق ۵/۸ ۲)۔ دوسرے اہلِ فن کے نزدیک یہ روایت ضعیف بھی ہے۔ اس کے سلسلہ سند میں ایک راوی سعد بن سعید انصاری ہیں جن کے بارے میں ابن حزم کی یہ رائے ہے کہ وہ بہت ضعیف ہیں ' اور اس میں اختلاف نہیں کہ ان سے دلیل نہیں لائی جا سکتی۔ اس لیے حقیقت یہ ہے کہ اجزاے انسانی سے انتفاع کی حرمت پر کوئی صریح اور غیر متحمل نص

موجود نہیں ہے۔

۱۱۔ اس مسئلے میں مسلمان اور کافر کے اعضا میں 'استحباب کے درجہ میں تفریق ہو تو درست ہے۔ یعنی بہتر ہے کہ ایک مسلمان کے جسم میں دوسرے مسلمان کے عضو کی پیوند کاری ہو۔ مگر اس کو شرط کا درجہ دینا درست نظر نہیں آتا۔ ابھی گزر چکا ہے کہ فقہا نے مضطر کو ایسے شخص کے کھانے کی اجازت دی ہے جو مباح الدم ہو گیا ہو۔ بعض فقہا نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کافر حربی کو کھانا بھی اسی حکم میں ہے۔

دودھ پلانے والی عورت کے متعلق سرخسی کا بیان ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی مسلم کسی دودھ پلانے والی کافر عورت کو اجرت پر رکھے 'یا ایسی عورت کو جو فاجر ہو' کیوں کہ کفر کی خباثت اس کے اعتقاد میں ہوتی ہے ' دودھ میں نہیں۔ انبیاے کرام و رسل عظام علیہم الصلوۃ والتسلیم میں بعض ایسے ہیں جنھوں نے کافر عورتوں کا دودھ پیا ہے۔ اسی طرح فاجرہ کے فسق و فجور کا اثر اس کے دودھ میں نہیں ہوتا ہے (المبسوط ۱۵/ ۱۲۷)۔ ابن رشد مالکی نے شریف عورت کے دودھ پلانے کو بہتر قرار دیا ہے 'تاہم کافر عورت کا دودھ پلانا بھی جائز ہے 'اگر اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ بچے کو حرام کی چیزیں کھلائیں گی یا پلائیں گی: دودھ پلانے کے لیے یہودی و نصرانی عورتوں کو رکھنا مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس امر کا اندیشہ رہتا ہے کہ وہ بچوں کو حرام غذا کھلائیں گے 'اور شراب پلائیں گی۔ ابن حبیب امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ جب اس امر کا اندیشہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (مقدمات ابن رشد مع مدونۃ الکبری، ۲/ ۱۷)۔

پس جب دودھ کے مسئلے میں اس توسع کو گوارا کیا جاسکتا ہے تو ایسے مواقع پر جہاں انسان طبّی اعتبار سے اضطرار کے درجہ کو پہنچ گیا ہو' بدرجہ اولیٰ کافر کے اعضا کی پیوند کاری کو درست ہونا چاہیے۔

۱۲۔ جہاں تک اعضا کے خرید و فروخت کی بات ہے شریعت نے بعض مواقع پر انسانی وجود اور انسانی اعضا کو متقوم (قابلِ قیمت) مانا ہے 'اور یہ اس وقت ہے جب کوئی انسان ہلاک کر دیا جائے یا اس کا کوئی عضو تلف کر دیا جائے۔ اس کو اصطلاح شرع میں دیت کہتے ہیں۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ آزاد انسان کے پورے وجود کی خرید و فروخت نہیں ہو سکتی۔ انسانی جسم کے مختلف اجزا میں بال اور دودھ یہی دو چیزیں تھیں جن سے گزشتہ زمانہ میں انتفاع کیا جاتا تھا۔ بال کا استعمال عموماً آرائش و زیبائش کے لیے کیا جاتا تھا۔ فقہا نے اس کی خرید و فروخت کو بھی منع کیا ہے اور وجہ وہی قرار دی ہے کہ یہ انسانی حرمت و کرامت کے مغائر ہے۔ یعنی انسانی بال کی فروختگی اور اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے 'کیوں کہ آدمی شرعاً مکرم ہے مبتذل نہیں۔ پس اجزائے انسانی کے کسی جز کو مبتذل و بے وقعت

کرنا جائز نہیں ہے (البحر الرائق ۸/۶ ' نیز هندیه ، / ۳/ ۱۱۴)۔علامہ شامی نے بالوں کی طرح انسانی ناخنوں کی خرید وفروخت کو بھی منع کیا ہے: آدمی سے جو حصہ الگ ہو جائے' جیسے بال اور ناخن' وہ آدمی کا حصہ ہے' اور اس لیے اس کا دفن کرنا واجب ہے (رد المختار ، ۲۴۶/۵)۔

لیکن دودھ کی خرید و فروخت میں فقہا کے اندر اختلاف ہے۔ احناف تکریم انسانیت کا پاس کرتے ہوئے منع کرتے ہیں: عورت کے دودھ کی فروختگی جائز نہیں' اس لیے کہ دودھ انسان کا جز ہے اور انسان اپنے تمام اجزا سمیت مکرم ہے مبتذل نہیں۔ (البحر الرائق ۸۱/۶ ' نیز عالمگیری ۳/ ۱۱۴)۔ جب کہ امام شافعی ؒ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ سرخسی کا بیان ہے: ہمارے نزدیک کسی حال میں عورتوں کے دودھ کی فروختگی جائز نہیں ہے' اور نہ ہی اس کے تلف کرنے والے پر ضمان لازم ہو گا اور امام شافعی نے فرمایا کہ اس کی بیع جائز ہے اور اس کے تلف کرنے والے پر ضمان لازم ہو گا' اس لیے کہ یہ پاک دودھ یا مشروب ہے' جانوروں کے دودھ کی طرح' اور اس لیے کہ یہ اہل دنیا کی غذا ہے پس جائز ہو گا اس کا فروخت کرنا تمام غذاؤں کی طرح اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ دودھ مالِ متقوم ہے' اس لیے کسی چیز کی مالیت اور اس کا متقوم ہونا شرعاً وعرفاً اس کے قابل انتفاع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے (المبسوط ۱۲۵/۱۵)۔فقہا حنابلہ کے درمیان گو اس مسئلہ میں اختلاف ہے' لیکن حنبلی دبستان فقہ کے مشہور ترجمان' ابن قدامہ کے نزدیک بھی ترجیح اسی کو ہے کہ عورت کے دودھ کی خرید و فروخت جائز ہے (المغنی ۴/ ۱۷۷)۔

لہٰذا احناف کے نزدیک بدرجہ مجبوری صرف ایسے اعضا کو خرید کرنا جائز ہو گا جیسا کہ فقہا نے بوقت ضرورت رشوت دینے یا سودی قرض حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ لیکن شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایسے اعضا کی خرید وفروخت دونوں درست ہوں گی' اس سلسلہ میں ابن قدامہ کی یہ عبارت اور اس کا عموم قابل لحاظ ہے کہ: انسانی اجزا میں سے سب کی خرید و فروخت جائز ہے کیوں کہ غلام اور باندی کی خرید و فروخت جائز ہے (ایضاً)۔

آگے چل کر ابن قدامہ نے گو جسم سے تراشے گئے عضو کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے' مگر یہ اس لیے نہیں کہ انسانی اجزا سے انتفاع جائز نہیں' بلکہ اس لیے کہ اس وقت تک انسانی اعضا سے انتفاع ممکن نہ ہو سکا تھا۔ وحرم بیع العضو المقطوع لانه لانفع فیه۔

اب جب کہ ایسا ممکن ہو چکا ہے ابن قدامہ کی تشریح کے مطابق ایسے اعضا کی خرید و فروخت بھی درست قرار پائے گی۔

۱۴۔ تاہم اس سلسلہ میں یہ بات بھی پیشِ نظر رکھی جانی چاہیے کہ خرید و فروخت کے جواز و عدم

جواز میں احناف کی کتب میں جو جزئیات منقول ہیں ' ان سے بعض اصول مستنبط ہوتے ہیں ۔

ان میں سے ایک اصل یہ ہے کہ بعض چیزیں جو اپنی نجاست یا حرمت کی وجہ سے خرید و فروخت کا محل نہیں ہیں ' اگر کسی طور پر قابلِ انتفاع ہو جائیں تو ان کی خرید و فروخت جائز ہوتی ہے ۔ مثلاً ' گوبر کی بیع جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ نجس العین ہے ' اور مشابہ ہے گندگی (پاخانہ) اور مردار کے چمڑے کے جس کو دباغت نہ دی گئی ہو ۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ وہ قابلِ انتفاع ہے ' اسی لیے اسے فصلوں میں افزایش کے لیے اراضی میں ڈالا جاتا ہے اس لیے وہ مال ہے ' اور مال بیع کا محل ہے ' بخلاف پاخانہ کے ' کیوں کہ اس سے انتفاع مخلوط ہونے پر ہی ہوتا ہے ' اور مخلوط کی بیع جائز بھی ہوتی ہے (فتح القدیر ۴۸۶/۸)۔

اسی اصول کی بنا پر امام محمد نے ریشم کے کیڑے کی خرید و فروخت کو درست قرار دیا ہے: رہے ریشم کے کیڑے ' تو اس کی بیع امام ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے ' اس لیے کہ وہ حشرات الارض میں سے ہے ۔ امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی بیع جائز ہے ' جبکہ اس میں ریشم ظاہر ہو جائے ' ریشم کے تابع کر کے ۔ اور امام محمد ؒ کے نزدیک ہر حال میں جائز ہے ' اس کے قابل انتفاع ہونے کی وجہ سے (البحر الرائق ۷۸/۶)۔

دوسری اصل یہ ہے کہ کسی شے کی بیع اصلاً ممنوع ہو ' اور وہ کسی نص صریح کے خلاف نہ ہو ' لیکن انسانی ضرورت اور تعامل اس کے جواز کی مقتضی ہو ' تو ایسے مواقع پر بھی فقہا اس کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ مثلاً ابن نجیم ناقل ہیں: جب کہ خریدے علق جسے فارسی زبان میں مرعل کہا جاتا ہے ' تو اس کا خریدنا جائز ہے ' اور اسی کو صدر الشہید نے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے اختیار کیا ہے کیوں کہ یہ لوگوں کے مال دار ہونے کا سبب بنتا ہے (البحر الرائق ۷۸/۶)۔ ابن قدامہ نے بھی اس اصول سے مختلف احکام و مسائل میں استفادہ کیا ہے (المغنی ، ۱۷۴/۴ ' ۱۷۶)۔

اب یہ امر غور طلب ہے کہ اعضا کی بینکنگ جو ایک طبّی ضرورت ہے ' اور جن کی بعض خاص حالات میں ' مثلاً جنگ ' زلزلہ وغیرہ میں ' بڑی مقدار میں ضرورت پڑتی ہے ' اور فی زمانہ صرف عطیات سے اتنی تعداد میں اعضا مطلوبہ کا ذخیرہ کیا جانا اور فراہم کرنا بظاہر مشکل ہے ' کیا ان اصول و قواعد سے نفع اٹھایا جاسکتا ہے ؟

۱۴۔ پس ان مباحث کا حاصل یہ ہے کہ:

(۱)--- اعضا انسانی کی پیوند کاری کے لیے جو طبّی طریقہ ایجاد ہوا ہے ' اس میں توہین انسانیت

نہیں ہے۔

(۲)---اس لیے یہ جائز ہے ' بشرطیکہ اس کا مقصود کسی مریض کی جان بچانا یا کسی اہم جسمانی منفعت کو لوٹانا ہو ' جیسے بینائی۔

(۳)---اور طبیب حاذق نے بتایا ہو کہ اس کی وجہ سے صحت کا غالب گمان ہے۔

(۴)---غیر مسلم کے اعضا بھی مسلمان کے جسم میں لگائے جاسکتے ہیں۔

(۵)---مردہ شخص کے جسم سے عضو لیا جارہا ہو ' تو ضروری ہو گا کہ خود اس نے زندگی میں اجازت دی ہو ' اس لیے کہ وہ جسم کا مالک ہے۔ نیز اس کے ورثا بھی اس کے لیے راضی ہونا ضروری ہے۔

(۶)---زندہ شخص کا عضو حاصل کیا جارہا ہو ' تو ضروری ہو گا کہ خود اس نے اجازت دی ہو اور اس وجہ سے خود اس کو ضرر شدید نہ ہو۔

(۷)---اعضا کی بینکنگ بھی درست ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے یہاں اعضا کی خرید و فروخت دونوں کی گنجائش ہے ' اور احناف کے نزدیک بدرجہ مجبوری خرید کر سکتے ہیں ' فروخت نہیں کر سکتے۔